اسلام کے فلسفہ سیاست کی بنیادیں

(۲)

از ڈاکٹر ماجد علی خاں لکچرر اسلامیات جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

اجتماعی و سیاسی نظام (حکومت) کی ضرورت

۲۔ وراثت صلحاء | قرآن کریم نے اسلامی حکومت کی حقیقت کا اظہار وراثت کے لفظ سے بھی کیا ہے۔ قرآن کریم کی رو سے حکومت صلحاء کی میراث ہے یعنی نسل انسانی کے جو افراد صحیح معنی میں نیک کردار اور بہترین صلاحیتوں کے مالک ہیں، اگر وہ دنیا کے کسی حصہ میں موجود ہیں تو زمین کی سلطنت ان کا حق اور وہ ان کی میراث ہے:۔

أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (الانبیاء: ۱۰۵) "زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے"

إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ط (الاعراف: ۱۲۸) "زمین اللہ کی ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔"

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا ط (الاعراف: ۱۳۷) "اور ان کی جگہ ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور بنا کر رکھے گئے تھے، اُس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جسے ہم نے برکتوں سے مالامال کیا تھا۔ اس طرح بنی اسرائیل کے حق میں تیرے رب کا وعدۂ خیر پورا ہوا۔ کیونکہ انہوں نے صبر سے کام لیا تھا۔"

وَاَوْرَثَکُمْ اَرْضَھُمْ وَدِیَارَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْھَا (الاحزاب ۳۳: ۲۷)

"اور اس نے تم کو ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے اموال کا وارث بنادیا اور وہ علاقہ تمہیں دیا جسے تم نے کبھی پامال نہ کیا تھا۔

اوپر نقل کی گئی سورۂ انبیاء کی آیت ۱۰۵ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وارثت ارض سے تمام روئے زمین مراد ہے جس کے مالک مسلمان (صالحین) ہوں گے۔ اسی آیت کے ذیل میں علامہ زمخشری قرآن کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ زبور داؤد اور قرآن کا نوشتہ یہ ہے کہ روئے زمین سے باغیوں (یعنی اللہ کے نافرمانوں) کے اقتدار کو ختم کردیا جائے گا اور ایماندار انسان اس کے وارث ہوں گے۔ [1]

ابوحیان غرناطی تصریح کرتے ہیں کہ وراثت اسلام کے فرمانبردار انسانوں کی حکومت کا نام ہے۔ یہ وہ ذمہ داری ہے جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو حاصل ہوگی۔

اسی طرح نظریۂ وراثت کی رو سے مسلمان ایک صالح، اصلح اور صلاحیت مند قوم ہیں اور خلافت فی الارض ان کی میراث ہے کیونکہ اللہ کے نزدیک صلاحیت کا معیار اب صرف قرآن اور نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے اندر صلاحیت پیدا کریں اور عقیدہ و عمل کی درستگی کی فکر کریں تاکہ ان کی وراثت ان کو واپس مل جائے۔ کیونکہ خلافت فی الارض کے لینے کی حقیقی شرط ایمان و عمل صالح ہیں۔ اللہ کا یہ وعدہ قرون اولیٰ میں ایمان اور اعمال صالحہ کی بنیادوں پر پورا ہوا ہے اور آئندہ زمانوں میں بھی انہی بنیادوں پر پورا ہوسکتا ہے۔

۳۔ امانت الٰہی | نیز اسلام کے نزدیک حکومت اللہ کی ایک امانت ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں ایک مجلس مشاورت کی افتتاحی تقریر میں اس طرح فرمایا: "میں نے آپ

---

[1] دیکھئے زمخشری کشاف تفسیر آیت ہذا۔

لوگوں کو جس غرض کے لئے تکلیف دی ہے وہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ آپ کے معاملات (ومسائل) میں امانت کا جو بار مجھ پر ڈالا گیا ہے اسے اٹھانے میں آپ میرے ساتھ شریک ہوں.... [1]

قرآن کریم نے گو لفظ امانت صاف طور پر تو حکومت کے لئے استعمال نہیں کیا ہے۔ لیکن مندرجہ ذیل آیت میں جس امانت کا ذکر ہے اس میں بالواسطہ حکومت بھی آجاتی ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ (الاحزاب۳۳: ۷۲)	"ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اسے اٹھانے کے لئے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے لیکن انسان نے اسے اٹھا لیا۔ بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے"۔

علامہ زمخشری کے نزدیک امانت ایک عظیم القدر سنگین اور گراں بار ذمہ داری ہے۔ امانت سے مراد اطاعت ہے۔ اللہ کے حکم اور امتناعی احکام کی اطاعت۔ [2] اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب (دہلوی) تحریر کرتے ہیں" امام غزالی اور بیضاوی وغیرہ نے اس بات کی تصریح کر دی ہے کہ یہاں امانت سے مراد عہدہ تکلیف ہے جو کہ آسمان و زمین کے آگے پیش کیا گیا اور جس کی وجہ سے (خدا کی) اطاعت کرنے سے ثواب اور اس کی معصیت و نافرمانی کرنے سے عذاب ملتا ہے اور یہ کہ ان کے آگے پیش کرنے سے ان کی استعداد و قابلیت کا اندازہ لگانا مراد ہے (کہ وہ اس کو سرانجام دے سکتے ہیں) اور انسان کے اٹھانے سے اس کی لیاقت اور استعداد مراد ہے"۔ [3] آگے چل کر باب سیاسۃ الاعوان (حجۃ اللہ البالغہ) میں شاہ صاحب تحریر کرتے ہیں۔

"جبکہ بادشاہ تنہا تمدن کی تمام مصلحتوں کو سرانجام نہیں دے سکتا تو اس کے

---

[1] کتاب الخراج۔ امام ابو یوسف ص۲۵ طبع مصری [2] زمخشری، کشاف۔ تفسیر آیت ہذا۔ [3] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص۴۷

لئے ضروری ہے کہ اس کے پاس ہر کام کے معاون ہوں۔ معاونین کے لئے یہ شرط ہے کہ انمیں امانت کی صفت ہو.... ؎۱

مولانا حامد الانصاری غازی اس موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کرتے ہیں "زید بن اسلم اور جبائی کی تحقیق یہ ہے کہ نظریۂ امانت کا تعلق حکومت کے کار پردازوں سے ہے۔ امانت یہ ہے کہ حکومت کی ذمہ داری اور عوام کے حقوق کے لئے فرض شناسی کے ساتھ کام کیا جائے اور ان کو مذہب اور قانون کے مطابق پورا کیا جائے۔

قرآن نے جہاں امانت کی ادائیگی کا حکم دیا ہے وہاں یہ بھی حکم ہے کہ جب تم لوگوں کے درمیان حکومت کے کام کو چلاؤ تو انصاف کو مدنظر رکھو ؎۲

حدیث اور تاریخی آثار سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ حکومت کی حقیقت کے اظہار میں امانت کا بڑا دخل ہے۔ حضرت ابوذر رضؓ کا بیان ہے کہ میں نے سرور دوعالم سے عرض کیا کہ مجھے بھی حکومت کا کام سپرد کیا جائے۔ اس کا جواب ملا (انہا امانت) "ابوذر حکومت امانت ہے" ؎۳ یہ ہر شخص کو نہیں دی جاسکتی۔ اس کی تائید امیر المومنین حضرت علیؓ کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں "امام کی ذمہ داری یہ ہے کہ خدا کے قانون کے مطابق حکومت کرے۔ امانت کو ادا کرے، جب امام اسطرح حکومت کا فرض انجام دے تو عوام کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس کے حکم کو سنیں اور اطاعت کریں اور جب وہ میدان عمل میں بلائے تو اس کی آواز پر لبیک کہیں۔"

امیر المومنین فاروق اعظم کا قول ہے۔ "جو شخص حکومت کی ذمہ داریوں کو مناسب صورت میں تقسیم نہیں کرتا وہ اللہ، رسول اور مسلمانوں کے حق اور ان کی امانت میں خیانت کرتا ہے۔" ؎۴

؎۱ حجۃ اللہ البالغہ ج ا ص۱۳۳ ؎۲ (اذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل)
؎۳ کتاب الاموال امام ابوعبید قاسم بن سلام ص۵ ؎۴ ایضاً ص۵

علامہ ابن تیمیہؒ اچھی حکومت کے دو ستون قرار دیتے ہیں۔ امانت اور انصاف۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ امانت کا اساسی مفہوم حکومت ہے۔ اور اچھی حکومت کے آئینہ میں امانت ایک موثر عنصر کی طرح کارفرما ہے۔ ؎۵۱

اوپر نقل کی گئی حضرت ابوذرؓ والی پوری حدیث اس طرح ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا کہ "اے ابوذر! امارت وحکومت ایک امانت الٰہی ہے اور یہ قیامت کے دن حسرت و ندامت کا باعث ہوگی۔ سوائے اس شخص کے جس نے اس کو اس کے حق کے ساتھ قبول کیا اور اس کے تمام حقوق ادا کرتا رہا۔" ؎۵۲

ایک اور حدیث میں حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب امانت ضائع کی جانے لگے تو اس وقت قیامت کے منتظر رہو۔" التماس کی گئی یا رسول اللہ امانت کے ضائع کرنے سے کیا مراد ہے! فرمایا کہ "جب کسی کام کو نااہل کے سپرد کیا جائے تو اس کے بعد قیامت کا انتظار کرو۔" ؎۵۳

امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ولایت وحکومت ایک امانت الٰہی ہے جس کا ادا کرنا اس کے موقع و محل میں واجب ہے۔ ؎۵۴ امام ابن تیمیہؒ نے حکومت کے امانت ہونے کی دلیل میں مندرجہ ذیل آیت بھی پیش کی ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ	"مسلمانو! اللہ تعالیٰ تمکو حکم دیتا ہے کہ امانت
اِلٰٓی اَھْلِھَا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ	رکھنے والے جب بھی خواہش کریں تو ان کی امانتیں
اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا	ان کے حوالے کر دیا کرو۔ اور جب لوگوں کے باہمی
یَعِظُکُمْ بِہٖ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ۝	جھگڑے فیصل کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو
(النساء: ۵۸)	

؎۵۱ اسلام کا نظام حکومت صفحہ ۲۵۰-۲۵۱ - ؎۵۲ صحیح مسلم - ؎۵۳ صحیح بخاری
؎۵۴ سیاست الٰہیہ صفحہ ۲۰

اللہ تم کو جو نصیحت کرتا ہے وہ تمہارے حق میں بہت
بہتر ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کی سنتا اور
سب کو دیکھتا ہے۔

اس کے بعد وہ تحریر کرتے ہیں کہ "یہ آیت والیانِ حکومت سے متعلق ہے جو اس بات کے مامور ہیں کہ لوگوں کی امانتیں ان کے حوالے کریں اور جب لوگوں کی نزاعوں کا فیصلہ کریں تو عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں" [1]

امام ابن تیمیہؒ مزید تحریر کرتے ہیں "یاد رہے کہ ادائے امانات کی دو قسمیں ہیں۔ امانت فی الولایات۔ اور امانت فی الاموال۔ اوپر درج ہوئی آیت امانت فی الولایات سے متعلق ہے اور یہی اس کی شانِ نزول ہے۔ جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو آپ نے قبیلہ بنو شیبہ کے سردار عثمان بن طلحہؓ سے کعبۂ معلّٰی کی کنجی طلب فرمائی اور اس میں داخل ہو کر نماز پڑھی۔ جب آپ باہر آئے تو آپ کے عم محترم حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب عرض پیرا ہوئے۔ یا رسول اللہ! حاجیوں کو پانی پلانے کا انتظام میرے سپرد ہے اگر کعبۂ معلّٰی کی پاسبانی بھی مجھے تفویض ہوا در بنو شیبہ کی بجائے میں کعبۂ معلّٰی کا کلید بردار بنا دیا جاؤں تو بڑی عنایت ہوگی۔ اس وقت مندرجہ صدر آیت یعنی "مسلمانو! اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ لوگوں کی امانتیں اُن کو واپس کر دیا کرو" نازل ہوئی اور آپؐ نے بیت اللہ کی کنجیاں عثمان بن طلحہ رئیس بنو شیبہ کو دے دیں۔ پس مسلمان ولی الامر (یعنی حاکم) پر واجب ہے کہ اعمالِ مسلمین ہی سے ہر عمل پر ایسے شخص کو عامل بنائے جو مسلمانوں میں سے سب سے زیادہ اس کا اہل ہو۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے کسی کام کا والی ہوا اور اس نے یہ جانتے ہوئے کہ ایسا شخص بھی میسر ہو سکتا ہے جو مسلمانوں کے حق میں اس سے بہتر ہو سکے گا۔ کسی شخص کو حکومت دے دی تو اس نے

---

[1] سیاست الٰہیہ صفحہ ۱۲

اللہ سے اور اس کے رسول سے اور مومنوں سے خیانت کی۔ اس حدیث کو حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ جس نے کسی کو ایک جماعت پر سردار بنایا اور وہ جانتا ہے کہ اس جماعت میں اس سے بہتر آدمی بھی سرداری کے لائق موجود ہے تو اس نے اللہ سے اس کے رسول سے اور مومنوں سے خیانت کی۔"[1]

بحرحال اس نظریہ کے مطابق حکومت کسی شخص کا ذاتی فعل نہیں تسلیم کی جا سکتی بلکہ وہ ایک خدائی امانت ہے۔ اس کا تحمل کرنے والا ایک برتر ذات کے سامنے جواب دہ اور عوام کے سامنے مسئول ہے۔ اس کا ہر فعل ایک قانونی حق ہے۔ ہر حق کے ماتحت ایک ذمہ داری ہے اور ہر ذمہ داری ایک امانت ہے۔ خدا کی امانت اور جمہوریت کی امانت۔ جب تک حکومت کا امیر اس تصور کے ماتحت اپنے فرائض انجام دے گا وہ اسلامی حکومت کا رئیس متصور ہوگا۔ لیکن جب وہ اس کے خلاف اپنی شخصی رائے سے کام کرے گا تو اسلامی حکومت کا تصور، خلافت و امانت ختم ہو جائے گا۔

۴۔ تحکیم بالعدل (JUSTICE) | حکومت کو نیابتی اور امانت الٰہی تسلیم کرنے کے بعد یہ لازمی نتیجہ ہوگا کہ انسان قوم، رنگ اور نسل وغیرہ کے امتیازات ختم کر دیے اور عدل کو بنیاد بنائے اس لئے اسلام کے نزدیک حکومت کا ایک بنیادی عنصر عدل ہے۔

وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (النساء ۴: ۵۸)

"اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو تمہارا فیصلہ عدل کے ماتحت ہونا چاہیے۔"

وَقُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ ۖ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ (الشوریٰ ۴۲: ۱۰۵)

"اور (اے محمدؐ) کہدو کہ اللہ نے جو کتاب بھی نازل کی میں اس پر ایمان لایا۔ اور مجھے (یہ) حکم (بھی) دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف (عدل) کروں۔"

---

[1] سیاست الٰہیہ صفحہ ۱۳-۱۵

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى "اور جب کہو انصاف کی کہو خواہ معاملہ اپنے
(الانعام: ۱۵۲) رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو"

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى "اور کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ
اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭاِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو
لِلتَّقْوٰى (المائدۃ: ۸) یہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے"

اسلامی حکومت میں عدل وہ بنیادی چیز ہے جس کے مقابلہ میں کوئی رعایت نہیں کی جاسکتی سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی تاریخ کا عصر اول (یعنی خلفاء راشدین کا دور خلافت) اس بات کا گواہ ہے کہ عدل کے مقابلہ میں مذہب کی بھی رعایت نہیں کی گئی۔

عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی سے روایت ہے کہ ان پر کسی یہودی کے چار درہم تھے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا "اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے ان پر (یعنی عبداللہ بن ابی حدرد رضی پر) چار درہم ہیں اور انہوں نے میرے اوپر غلبہ پالیا ہے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی سے) فرمایا۔ "اس کو اس کا حق دے دو۔ میں نے عرض کیا" جس نے آپ کو حق پر مبعوث فرمایا میں اس کی مقدرت نہیں رکھتا" آپ نے دوبارہ یہی فرمایا" اس کو اس کا حق دیدو" حضرت عبداللہ نے پھر عرض کیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے مجھے اس کی (ادائگی کی) مقدرت نہیں ہے۔ میں نے ان سے (یعنی اس یہودی سے) کہا ہے کہ آپ ہمیں خیبر روانہ کریں گے۔ مجھے امید ہے کہ ہمیں وہاں کچھ غنیمت حاصل ہو جائے گی۔ پس (وہاں سے) واپس آکر میں ان کا قرض ادا کردوں گا" لیکن آپ نے تیسری دفعہ پھر فرمایا" اس کو اس کا حق دے دو" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قاعدہ تھا کہ جب آپ کسی کام کے لئے تین دفعہ فرمادیتے تھے تو پھر اسکو واپس نہیں

لیتے تھے۔ جب [stamp] رضؓ بازار گئے ان کے سر پر ایک عمامہ اور ایک چادر تھی انہوں نے چادر کو چار درہموں میں فروخت کیا۔ اور یہودی کا قرضہ ادا کیا۔ ؎۱

حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں کہ قریش ایک مخزومی عورت کے معاملہ میں بہت فکرمند تھے جس نے چوری کی تھی (اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا) قریش نے کہا کہ کون اس کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (سفارش کی) بات چیت کرے گا بعض لوگوں نے کہا اُسامہ بن زیدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبوب ہیں اگر کچھ کہہ سکتے ہیں تو وہی کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ اُسامہ بن زیدؓ نے آپؐ سے اس کا ذکر کیا آپؐ نے فرمایا تو خدا کی حدود میں سفارش کرتا ہے۔ یہ کہہ کر آپؐ کھڑے ہوگئے اور لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ پھر فرمایا تم سے پہلی امتیں اس لئے ہلاک ہوئی ہیں کہ ان میں سے جب کوئی شریف آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو سزا دیتے تھے۔ قسم ہے خدا کی اگر فاطمہ رضؓ محمدؐ کی بیٹی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دونگا۔" ؎۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" عادل و منصف حاکم خدا کے ہاں نور کے ممبروں پر اندر خدا کے داہنے ہاتھ پر ہوں گے اور خدا کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔ ہاں وہ عادل حاکم جو اپنے احکام میں اپنے اہل میں اور اپنی ولایت و حکومت میں عدل کرتے ہیں۔ ؎۳ ظالم حاکم کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے" جو حاکم مسلمانوں کی سرداری کو اپنے ہاتھ میں لے اور اس حالت میں مرے کہ خائن و ظالم ہو تو خداوند تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا (یعنی وہ جنت میں نہیں جائے گا)" ؎۴ اس سلسلہ میں بکثرت احادیث اور آثار وارد ہوئے جن کو طوالت کی وجہ سے تحریر نہیں کیا جا رہا ہے۔

؎۱ کنز العمال ج ۳ ص ۱۸۱ الاصابۃ ج ۲ ص ۹۵ کذا فی الحیاۃ الصحابہؓ لمحمد یوسف الکاندھلوی ج ۲ ص ۱۶۰-۸۱
؎۲ بخاری و مسلم کذا فی المشکوٰۃ۔ ؎۳ مسلم کذا فی المشکوٰۃ ؎۴ بخاری و مسلم کذا فی المشکوٰۃ

اسلام میں عدل کا مطلب یہ ہے کہ قانونِ الٰہی (یعنی قرآن وسنت کے احکامات) سب کے لئے یکساں ہیں اور اس کو مملکت کے ادنیٰ شخص سے لیکر اعلیٰ شخص (بمع سربراہ) سب پر یکساں نافذ ہونا چاہیئے۔ قانون الٰہی میں کسی بھی شخص کے لئے کسی امتیازی سلوک یا رعایت کی گنجائش نہیں ہے۔ کسی کے حق کی ادائیگی میں کسی قسم کا تعصب یا عصبیت آڑے نہیں آنا چاہیئے۔ انصاف کی نظر میں سب انسان برابر ہیں۔ باعتبار انسان سب کے حقوق یکساں ہیں۔ قانون الٰہی اور اس کی ہمہ گیری سے خواص تو کیا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بیان فرماتے ہیں۔

رائیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یُقید من نفسہ۔ (بخاری ومسلم) "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنی ذات سے بدلہ لیتے دیکھا ہے۔"

غرض اسلام ایک ایسے ہمہ گیر عدل کی دعوت دیتا ہے جو تمام انسانوں کے لئے یکساں ہے۔ وہ سیاستِ شرعیہ (یا دینی حکومت) کی بنیاد عدل پر رکھتا ہے اور اسکو حکومت کا ایک بہت ہی اہم بنیادی عنصر قرار دیتا ہے۔

مساوات (Equality) جس حکومت کی بنیاد اللہ کی حاکمیت اور اس کی وحدانیت کے عقیدے پر ہوگی۔ اور جس میں انسان کی حیثیت اللہ کے عبد اور اس کے خلیفہ کی ہوگی اس میں مساوات کو بنیادی اہمیت حاصل ہوگی۔ شریعت جس کی بنیاد پر دینی حکومت قائم ہوگی) کا اطلاق ہر فرد پر یکساں ہوگا۔ قوم ونسل، رنگ وزبان اور دیگر تنگ نظر۔ نظریات کی بنیادیں ختم ہوں گی۔ کسی بھی گروہ، طبقہ یا جماعت کو دینی حکومت میں امتیازی حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔ سیاست شرعیہ کے پیشِ نظر نسل وقوم کی حیثیت صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ تعارف حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہیں

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ "اے انسانو! ہم نے تم کو بنایا ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنائیں۔ تمہاری ذاتیں

لِتَعَارَفُوا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔ (الحجرات : ۱۳)

اور قبیلے تاکہ تم آپس میں تعارف حاصل کرو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا:-

یاایھا الناس الا ان ربکم واحد لا فضل لعربی علی عجمی، ولا لعجمی علی عربی، ولا لاسود علی احمر، ولا لاحمر علی اسود الا بالتقوی۔[1]

"اے انسانوں! تمہارا رب ایک ہے۔ عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر۔ اور کالے کو گورے پر یا گورے پر کالے کو کوئی فضیلت نہیں ہے مگر تقویٰ کی بنیاد پر۔"

نیز آپ نے یہ بھی فرمایا۔

من شھد ان لا الٰہ الا اللہ واستقبل قبلتنا وصلی صلوتنا واکل ذبیحتنا فھو المسلم لہ ما للمسلم وعلیہ ما علی المسلم

"جس نے (اس بات کی) شہادت دی کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہماری نماز پڑھی۔ اور ہمارا ذبیحہ کھایا وہ مسلمان ہے۔ اس کے حقوق بھی وہی ہیں جو (ایک) مسلمان کے ہیں اور اس کے اوپر فرائض بھی وہی ہیں جو (ایک) مسلمان کے فرائض ہیں۔

اوپر نقل کی گئی آیت قرآنی اور احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ اسلامی معاشرہ میں امتیاز کی صرف ایک ہی بنیاد ہے اور وہ تقویٰ ہے۔ اسلام میں کوئی رعایتی طبقہ (Privileged class) نہیں ہے۔ شہری حقوق میں اور قانون کی نگاہ میں تمام انسان اور تمام مسلمان برابر ہیں۔ کسی بھی طبقہ سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی شخص قانون کی

---

[1] تفسیر روح المعانی بحوالہ بیہقی و ابن مردویہ ج ۲۶ صفحہ ۱۶۲ - ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر۔

خلاف ورزی کرے گا تو اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا۔ جو ایک آدنیٰ طبقہ کے کسی آدمی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

قاضی عیاض نے شفا میں تحریر کیا ہے کہ "تمام انسان کنگھی کے دندانوں کی طرح ہیں" مشکوٰۃ کی ایک روایت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے وقت یہ دعا کرتے تھے۔ "اے اللہ! تو ہمارا رب ہے اور تمام چیزوں کا رب۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ سب انسان آپس میں بھائی ہیں۔" ایک اور حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سب مخلوق اللہ کی اولاد کی مانند ہیں۔ اور اللہ کو وہ سب سے زیادہ پسند ہے جو اس کی مخلوق سے سب سے زیادہ مہربانی سے پیش آئے۔"
(بیہقی۔ مشکوٰۃ)

قرآن کریم میں ارشاد ہے:۔

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔ (البقرۃ: ۸۳) "لوگوں سے (مہربانی سے) بھلی بات کہو۔"

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام میں انسان کا امتیاز صرف اس کے کردار و عمل کی بنیاد پر ہی ہوتا ہے۔ کسی خاص خاندان میں پیدا ہونے سے یا کسی خاص قوم برادری سے تعلق کی بنیاد پر یا رنگ و نسل کی بنیاد پر کسی امتیازی سلوک کا مستحق نہیں ہوتا۔ (باقی)

بقیہ صفحہ ۱۷

"سیاست شریعت کے موافق ہونا چاہیے" اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ "ما نطق به الشرع" (جسکی شریعت نے صراحت) کی ہے) کے مخالف نہ ہو تو ٹھیک ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ سیاست وہی معتبر ہے جسکی شریعت نے صراحت کی تو غلط ہے اور صحابہ کرام کو غلط ٹھہراتا ہے۔ [۱] شریعت میں یہ باب کافی وسیع اور نازک ہے اگر اس سے کام نہ لیا جائے تو حقوق ضائع ہوتے ہیں اور اگر زیادہ کام لیا جائے تو ظلم و ستم کا دروازہ کھلتا ہے۔ ایسی صورت میں منضبط کرنے کیلئے قواعد و قوانین مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔ (باقی آئندہ)

---

[۱] ایضاً۔ مزید تفصیل کیلئے راقم کی کتاب "احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت" دیکھنا چاہیے۔